شکیلہ اختر

اگر یہ کہا جائے تو شاید غلط نہیں ہوگا کہ بہار کی خواتین افسانہ نگاروں میں شکیلہ اختر سب سے ممتاز اور منفرد افسانہ نگار ہیں۔ وں نے برصغیر ہندو پاک میں اپنی ایک شناخت قائم کی اور ریاست کی دوسری خواتین افسانہ نگاروں کو بھی ایک حوصلہ عطا کیا۔ شکیلہ ر نے باضابطہ طور پر افسانہ نگاری سے پہلے ادب لطیف جیسے نثر پارے تحریر کیے اور شاعری بھی کی۔ لیکن ان کا میلان طبع افسانہ نگاری طرف زیادہ تھا۔ لہذا اس میدان میں انہوں نے نمایاں خدمات انجام دیں اور لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کیا۔

شکیلہ اختر کی کہانیوں میں عام طور پر متوسط مسلم گھرانے کا ماحول ملتا ہے۔ وہ اپنے اردگرد کے حالات و کوائف کو بہت سلیقے رقرینے سے پیش کرنے کا ہنر جانتی تھیں۔ ان کے یہاں غایت درجے کی دروں بینی ہے اور ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ گہری داخلیت کی یادوں پر ان کے متعدد افسانے اردو کی دوسری معروف افسانہ نگاروں سے ممتاز تر ہیں۔ شکیلہ اختر کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ اپنی ت کے کرب کو وسعت دے کر ہمہ گیر بنا دینے کی بے پناہ صلاحیت رکھتی تھیں۔

شکیلہ اختر گیا ضلع کے ارول گاؤں میں 16 اگست 1916 کو پیدا ہوئیں۔ بعد میں ارول جہان آباد ضلع کا حصہ ہوگیا اور اس ت ارول کو خود ضلع کا درجہ حاصل ہو چکا ہے۔ سون ندی کے ساحل پر بسا ہوا ارول ایک خوب صورت اور مشہور قصبہ ہے۔ یہاں شاہ ر توحید صاحب کا گھرانہ معزز اور ذی ثروت گھرانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ شاہ محمد توحید صاحب شکیلہ اختر کے والد تھے۔

شکیلہ اختر کا پہلا افسانہ 'رحمت' ہے جو 1936 میں 'ادب لطیف' میں شائع ہوا۔ ان کے افسانوں کے ۶ مجموعے شائع ہو چکے ں۔ درپن، آنکھ مچولی، ڈائن، آگ اور پتھر، لہو کے مول، آخری سلام۔ انہوں نے 'تنکے کا سہارا' کے نام سے ایک ناولٹ بھی تحریر کیا۔ لیلہ اختر کی ایک خوبی یہ ہے کہ اپنے تمام افسانوں میں انہوں نے افسانے کے روایتی انداز کو قائم رکھا ہے۔ ان کے افسانوں میں ماجرا ازی، کردار نگاری اور بھرپور فضا آفرینی ہر جگہ ملتی ہے۔ عورتوں کی نفسیات پر بھی ان کی گرفت بہت مضبوط تھی۔

شکیلہ اختر نے تعلیم اپنے گھر پر ہی حاصل کی اور باضابطہ طور پر کبھی اسکول اور کالج میں نہیں پڑھا۔ ان کو ادبی خدمات کے لیے تلف ریاستوں کی اردو اکادمیوں نے اعزازات و انعامات سے نوازا۔ آل انڈیا ریڈیو، پٹنہ کی مشاورتی کمیٹی اور بہار اردو اکادمی کی لس عاملہ کی ممبر بھی رہیں۔ 10 فروری 1994 کو ان کا انتقال ہوگیا۔

شاید

ستمبر کا مہینہ تھا۔ بارش نہایت زور شور سے ہو رہی تھی۔ لوگوں کی نظریں حسرت سے کبھی آسمان کی طرف اٹھتیں اور کبھی زمین کی طرف۔ مگر سوائے پانی کے اور کوئی چیز دکھائی نہ دیتی تھی۔ 13 ستمبر کو اتنی بارش ہوئی کہ اس کے خیال سے اب بھی دل کانپ جاتا ہے۔ کچی سڑکوں کا کیا پوچھنا۔ پختہ سڑکوں کا میلوں تک پتہ نہ چلتا تھا۔ اور ڈاک کی آمد و رفت تو مدت ہوئی بند ہو چکی تھی ہر طرف سے مکانوں کے گرنے کی ہیبت ناک صدائیں بلند ہو رہی تھیں بارش کے ساتھ ہی یہ غضب ہو گیا کہ دریا نے بھی بڑے زور شور سے بڑھنا شروع کر دیا۔ اور 13 ستمبر کی رات غضب ناک شیرنی کی طرح پھلگو ندی اُبل پڑی۔ غریبوں کی جھونپڑیوں کا کیا کہنا بڑی بڑی کوٹھیوں کی مستحکم بنیادیں ڈگمگانے لگیں۔ ایسی بارش اور ایسی طغیانی تھی کہ ریلوے لائن بھی اس کی متحمل نہ ہو سکی۔ آخر خدا خدا کر کے پانی تھ مگر کب؟ جب سینکڑوں مکانات پیوند زمیں ہو چکے تھے۔ آبادیاں ویرانوں میں منتقل ہو چکی تھیں اور جب خوش حال گھرانے مٹھی بھر چاول اور چنے کی طرف بھوکے کتوں کی طرح دوڑ رہے تھے۔

اب بارش ختم ہو چکی تھی اور ندی بھی تھم گئی تھی۔ (مصیبت زدہ غریبوں کے سوا دنیا پھر اپنی جگہ پر بدستور تھی شام کا وقت تھا۔ میں خطوط لکھنے میں بے طرح مشغول تھی کہ ایک آواز، ایک دل دوز آواز نے مجھے چونکا دیا'... بیٹی!..... پانچ دن سے..... مسلسل پانچ روز سے ہم بھوکے ہیں۔ آہ! میرے چھوٹے چھوٹے معصوم بچے بھی پانچ د سے ایک ایک دانہ کے لیے تڑپ رہے ہیں۔'

میں نے گھبرا کر دیکھا تو میرے سامنے ہی ایک شریف صورت ادھیڑ عمر کی عورت میلی چادر میں لپٹی کھڑ تھی، میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ 'آپ کہاں سے آئی ہیں؟'

میرے اس سوال سے وہ پھوٹ پڑی اور بولی۔ 'میرا گھر؟ .....آہ! اب کہاں.....! سب کچھ تو ہوا مگر! بچہ! میرا آٹھ سال کا پیارا بچہ وہ کہاں رہ گیا؟' اس نے اشک آلود نظروں سے مجھے دیوانہ وار گھورتے ہوئے کہا۔ 'میں سونی کی رہنے والی ہوں۔ مجھے کسی چیز کی پروا نہیں تھی۔ سبھی کچھ میسر تھا۔ مگر اب کچھ بھی نہیں۔ ظالم طغیانی نے سے میرا سب کچھ چھین لیا!..... میرا گھر!..... میرا معصوم بچہ! میرا منور! ہائے اس کو مجھ سے کیوں لے لیا؟ منور!

بچہ! آہ! میرا لال.....'

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میرا دل بھی بھر آیا۔ اور آنکھیں بھی ڈبڈبا آئیں۔

وہ کہنے لگی۔ 'ستمبر کی رات کو ہم لوگ اپنے گھر میں آرام سے تھے۔ بارش ہو رہی تھی۔ میرا دل دھڑک رہا تھا۔ مگر اتنا بے چین نہ تھا جتنا آج ہے۔ میرے بچے ایک کمرے میں سوئے ہوئے تھے۔ میری نئی بہو گھر کے انتظام میں لگی ہوئی تھی اور میں نماز پڑھ رہی تھی۔ سویرے ہی سنا تھا کہ پھلگو ندی بڑے زور سے بڑھ رہی ہے۔ میں نماز میں مشغول تھی۔ مگر بادل کی گرج سے دل دہل رہا تھا۔ دفعتاً بڑے زور کا ایک دھماکا ہوا اور میرے صحن کی دیوار چور چور ہو کر صحن کے پانی میں گھل مل گئی۔ میں نے نماز ختم کر کے جیسے ہی سلام پھیرا کہ میری نظر مکان میں رینگتے ہوئے پانی پر گئی۔ میں حیران تھی کہ یا اللہ یہ کیسا پانی ہے بارش کا یا ندی کا؟ پانی تیزی کے ساتھ پھیلتا جا رہا تھا۔ ہم اس میں بہنے لگے۔ اب ہم ایک دوسرے سے بے خبر بہتے ہوئے ایک نامعلوم اور لامحدود منزل کی طرف چلے جا رہے تھے!..... اس کے بعد میری بچی! مجھے کچھ خبر نہیں۔ نہ جانے کتنی دیر بعد آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ اپنے گاؤں کے رئیس بنگالی بابو کے بنگلے میں پڑے ہیں۔ جیسے ہی میری آنکھیں کھلیں بے چین ہو ہو کر اپنے پیاروں کو ڈھونڈنے لگی۔ سب ہی تھے۔ مگر آہ! میرا منور میرا آٹھ سال کا پیارا بچہ میری نظروں سے اوجھل تھا۔ میں نے چیخ چیخ کر اپنے بچے کو آوازیں دیں دیوانہ وار ہر طرف ڈھونڈنے دوڑی۔ مگر منورا میرا پیارا بچہ نہ ملا۔'

اتنا کہہ کر وہ پھر تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔ اس نے بولنے کی غرض سے منہ کھولا۔ مگر بھوک اور غم کی شدت سے اس کی آواز بہ مشکل نکل رہی تھی۔ 'میرا شوہر اور میرا لڑکا نوکری کے لیے رنگون گیا ہے۔ میری ایک سال کی بیاہی ہوئی بہو امید سے ہے۔ اور میرے چھوٹے چھوٹے بچوں کا نہ کوئی گھر ہے اور نہ در۔ آج اپنی بستی سے چلے ہوئے پانچ روز ہو گئے ہیں۔ اس دوران میں میرے بچوں کی غذا صرف وہی دو مٹھی چنے تھی۔ دو مٹھی چنے اور میرے تین بچے۔ پانچ روز کا سفر۔ میرے اللہ میرے بچے کیسے تڑپ رہے ہیں۔ کاش میرا منور ہوتا اور آج یہ غم دیکھنے کے لیے میں نہ ہوتی۔' وہ اتنا کہہ کر گردن جھکا کر بیٹھ گئی۔ اس کے لب کانپ رہے تھے اور آنکھوں سے اشکوں کی جھڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ اس نے حسرت بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ 'سفر کرتے ہوئے آج پانچ روز ہو گئے۔ اور ابھی ہماری منزل بہت دور ہے۔ میں پٹنہ باقر گنج اپنے میکے لٹی ہوئی جا رہی ہوں۔ وہاں جا کر اپنے بیٹے اور شوہر کو اپنی بربادی کی خبر بھیجوں گی۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ پٹنہ یہاں سے کتنی دور ہے؟'

میں نے کہا۔ 'یہاں سے پٹنہ کافی دور ہے۔ قریب ۴۰ میل۔ مگر آپ اسٹیمر سے کیوں نہیں جاتیں۔ آج اس کے آنے کا بھی دن ہے۔' میری باتوں کو سن کر وہ تڑپ کر بولی۔ 'اسٹیمر سے جاؤں؟ مگر کرایہ کہاں سے لاؤں؟ میرے پاس تو اتنا بھی نہیں کہ اپنے بچّوں کا پیٹ بھر سکوں۔ ۴۰ میل میرے بچّے کیسے چل سکیں گے؟ یہاں تک تو آتے ہوئے ان کے نازک پیروں میں آبلے پڑ گئے ہیں۔ پھر بھی میں انہیں بہلا پھسلا کر لے ہی آئی۔ اب انہیں سفر پر کیسے آمادہ کروں۔ جب کہ بھوک کی شدت پر بھی وہ سفر کے اختتام کے خیال خام پر خوش ہو کر کھیل رہے ہیں۔' میں نے کچھ پیسے دے کر کہا۔ 'اپنے بچّوں کو راستہ میں کوئی چیز خرید کر دیجیے گا۔ اور یہ کھانا ہے۔ کھانا آپ خود کھالیں۔' وہ ممنون نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ 'بیٹی کیا تم سمجھ سکتی ہو کہ ایک ماں اپنے ننھے ننھے بچّوں کو بھوک میں تڑپتا چھوڑ کر پہلے اپنا پیٹ بھر سکتی ہے۔ تم ماں کی مامتا کو کیا جانو۔ آہ! یہ دل جو اپنے آٹھ سال کے بچّے کے غم میں ماتم کر رہا ہے۔ وہی دل آج تمھارے در پر اپنے دوسروں بچّوں کے واسطے بھیک لینے کے لیے مجھے گھسیٹتا ہوا بھی لایا ہے۔ لاؤ میں یہ کھانا پہلے اپنے بچّوں کو کھلاؤں گی اس کے بعد اگر کچھ بچ رہے گا تو میں بھی کھالوں گی۔ دیکھو سردی کس بلا کی پڑ رہی ہے اور اس ٹھنڈک میں میرے بچّے درخت کے نیچے ٹھٹھرے ہوئے پڑے ہیں۔' میں نے اسے چادر دیتے ہوئے کہا۔ 'شاید یہ آپ کی کچھ مدد کر سکے۔' اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا کوئی اور مکان ہے، جہاں سے وہ کچھ اور مدد حاصل کر سکے۔ میں نے اپنی ملازمہ کے ساتھ اسے ایک مکان میں بھجوا دیا۔

جب وہ وہاں سے آئی تو معلوم ہوا کہ سوجے ہوئے پیروں اور اشک آلود آنکھوں کو دیکھ کر لوگوں نے قہقہے لگائے ہیں۔ اس نے اپنی دردناک کہانی مختصر پیرائے میں بیان کی۔ جسے سنتے ہی لوگ کہنے لگے۔ 'ہم نے یہ سب ڈھونگ بہت دیکھے ہیں۔ تم ایک کہنہ مشق فریبی ہو۔ کیونکہ واقعی تمارے لب ولہجہ سے بہت کم آدمی تمھیں پہچان سکتے ہیں اور یہ آنسوؤں کی جھڑی تو تمھاری اچھی خاصی مددگار ہے۔ جاؤ وہاں جاؤ، جہاں آنسوؤں کے پردے معصوم عقلوں پر پڑ کر تمھارے فریب کو کارآمد بنا سکیں۔' اس نے حسرت بھری نظروں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ 'ہاں آج یہ وقت آیا کہ میں دوسروں کی محتاج ہوں۔ مگر مجھے آپ سے شکایت نہیں، گلہ ہے تو اس خدا سے جس نے دنیا کو فریبی بنا کر سچے حق داروں کے حقوق کیوں چھین لیے۔' اس کی یہ باتیں سن کر وہ اور زور سے ہنس پڑے۔ غریب عورت غمگین لہجے میں مجھ سے بولی۔ 'آہ! اب لوگ مجھے فریبی کہتے ہیں۔'

وہ جھکی اور میرے دیئے ہوئے کھانے کو اٹھا کر لنگڑاتی ہوئی چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی ایک خیال میرے دل میں پیدا ہوا۔ شاید یہ ایک پُرفریب کھیل ہو۔

لفظ و معنی

حسرت ۔ افسوس، کسی چیز کے نہ ملنے کا احساس، آرزو، شوق اور ارمان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

مستحکم ۔ مضبوط، پکا

دل دوز ۔ دل پر اثر کرنے والا

اشک ۔ آنسو

صحن ۔ آنگن

لامحدود ۔ جس کی کوئی حد مقرر نہ ہو

غذا ۔ خوراک، کھانا

خام ۔ کچا، کمزور

فریب ۔ دھوکا، دغا

گلہ ۔ شکوہ، شکایت

آپ نے پڑھا

- پھلگو ندی میں طغیانی، سیلاب اور اس کے نواحی علاقوں میں تیز اور مسلسل بارش کے سبب کئی گاؤں تباہ و برباد ہو جاتے ہیں، پوری کی پوری آبادی ویرانے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ مکانات منہدم ہو جاتے ہیں اور جھونپڑیوں کا نام و نشان تک مٹ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ریلوے لائن کو بھی نقصان ہوتا ہے اور آمد و رفت پوری طرح مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔ ایسی طوفانی بارش اور تباہ کن سیلاب سے غریب لوگ تو متاثر ہوتے ہی ہیں امیروں کے گھر بھی محفوظ نہیں رہتے ہیں۔ اس کہانی میں ایک شریف اور نیک عورت کی درد بھری داستان کو بہت خوب صورت اور پُر اثر انداز میں افسانہ نگار نے پیش کیا ہے۔
- عورت طوفان اور سیلاب آنے سے قبل ایک خوشگوار زندگی گزار رہی تھی اور اُسے کسی بات کی تکلیف نہ تھی۔ وہ اپنے خاندان اور بال بچوں کے ساتھ بہت خوش تھی کہ اچانک اس کی زندگی میں غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ طوفان اور سیلاب نے اس کی دنیا ہی بدل دی تھی۔ سیلاب میں اس عورت کا ایک آٹھ سال کا بچہ جس کا نام منور تھا وہ بھی ڈوب کر مر گیا تھا۔ اس عورت کا شوہر اور ایک جوان بیٹا نوکری کرنے رنگون گیا ہوا تھا اور عورت ان لوگوں کے نہ رہنے کی وجہ

سے بالکل تنہا اور بے سہارا ہوگئی تھی۔

- وہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچّوں اور جوان بہو کر لے کر کسی طرح سے گاؤں سے نکلنے میں کامیاب ہوجاتی ہے اور پٹنہ جانا چاہتی ہے تاکہ وہاں پہنچ کر وہ اپنے شوہر اور بیٹے کو اپنی تباہی و بربادی کے بارے میں خط لکھ کر بتا سکے۔ لیکن پانچ روز تک پیدل چلنے کے بعد بھی وہ پٹنہ نہیں پہنچ پاتی ہے اور جب بھوک اور پیاس سے وہ نڈھال ہوجاتی ہے تو ایک مکان میں داخل ہوکر اپنی پُر درد کہانی ایک دوسری عورت کو سناتی ہے۔ وہ عورت جو مکان کی مالک تھی، نیک اور ہمدرد تھی وہ پریشان حال عورت کو کھانے کے لیے کھانا دیتی ہے اور کچھ پیسے بھی دیتی ہے۔
- عورت کھانا خود نہیں کھاتی بلکہ اپنے بھوکے بچّوں کو کھلا دیتی ہے اور ان بچّوں کے لیے ایک چادر بھی طلب کرتی ہے جو اسے مل جاتی ہے۔ تب وہ کہتی ہے کہ کیا کوئی اور مکان ہے جہاں سے وہ کچھ اور مدد حاصل کر سکے؟ نیک عورت جس نے اس کی مدد کی تھی اپنی ملازمہ کے ساتھ اسے ایک دوسرے مکان میں بھیج دیتی ہے جو پڑوس میں ہی تھا۔
- دوسرے مکان میں جانے کے بعد عورت کا درد اور بڑھ جاتا ہے اور ہر در کی جگہ پر اس کے حصے میں صرف طعن و تشنیع آتے ہیں، اسے دغا باز اور فریبی کہا جاتا ہے جس سے عورت کو بہت تکلیف ہوتی ہے اور اس کا درد سوا ہوجاتا ہے۔ وہ واپس آکر پہلی عورت کو جس نے اس کی ہر طرح سے مدد کی تھی پوری بات بتاتی ہے اور شکوہ کرتی ہے کہ ان لوگوں نے اسے فریبی کہا۔ لیکن اس کی پوری بات سننے کے بعد وہ نیک عورت بھی شک میں مبتلا ہوجاتی ہے اور سوچتی ہے کہ کہیں سب کچھ ایک پُر فریب کھیل نہ ہو اور کہانی اسی مقام پر ختم ہوجاتی ہے۔ سچ کیا ہے اس پر پردہ پڑا رہتا ہے۔ وہ عورت ایک مظلوم اور بے سہارا عورت بھی ہوسکتی ہے یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ شاید وہ فریبی ہو۔

آپ بتائیے

1. کسی ندی میں طغیانی کے سبب سیلاب آیا اور لوگوں کو اپنا گھر اور گاؤں چھوڑنا پڑا۔ اور کیوں؟
2. ستمبر ماہ کی کس تاریخ کو سب سے زیادہ بارش ہوئی تھی اور تیز بارش کی وجہ سے پھلگو ندی کا پانی جب گاؤں میں داخل ہوگیا تھا تو وہ رات کا وقت تھا یا دن کا؟
3. کہانی سنانے والی عورت کے گھر میں جب پانی داخل ہوگیا تو اس وقت وہ کس کام میں مصروف تھی؟
4. فرطِ خوف سے عورت بے ہوش ہوگئی تھی، جب اسے ہوش آیا تھا تو اس نے خود کو کہاں پایا تھا؟
5. کہانی سنانے والی عورت کا ایک بچّہ سیلاب میں گم ہوگیا تھا، اس بچّے کا نام کیا تھا اور اس کی عمر کتنی تھی؟

مختصر گفتگو

1. سیلاب کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہنے کے لیے عورت نے کیا فیصلہ کیا تھا اور وہ کس شہر میں جانا چاہتی تھی؟
2. عورت کا شوہر اور بڑا بیٹا گاؤں میں رہتے تھے یا کسی شہر میں؟ اگر شہر میں رہتے تھے تو اس شہر کا نام تحریر کریں۔
3. عورت نے کتنے دنوں سے کچھ نہیں کھایا تھا؟ اسے کھانے کے لیے کس نے دیا؟ عورت نے کھانا ملنے کے بعد کیا خود کھانا کھایا؟
4. عورت کو سیلاب کی وجہ سے ہونے والی بربادیوں میں کس چیز کے برباد ہو جانے کا افسوس اور صدمہ سب سے زیادہ تھا؟
5. عورت کا بڑا بیٹا جو رنگون میں ملازمت کرتا تھا اس کی شادی کتنے دنوں قبل ہوئی تھی؟ وہ شہر میں کس کے ساتھ رہتا تھا؟

تفصیلی گفتگو

1. بہار میں شکیلہ اختر کو تمام خواتین افسانہ نگاروں سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اپنا خیال تحریر کریں۔
2. شکیلہ اختر کے علاوہ بہار کی چند دیگر خواتین افسانہ نگاروں کے نام تحریر کریں۔
3. شکیلہ اختر کہاں کی رہنے والی تھیں؟ اس مقام کا نام تحریر کریں، ساتھ ہی یہ بھی بتائیں کہ اب وہ جگہ کس ضلع میں واقع ہے؟
4. شکیلہ اختر کے افسانوں کے کل کتنے مجموعے شائع ہوئے؟ ان کے مجموعوں کے نام تحریر کریں۔ (کئی افسانوں کو جب ایک جگہ جمع کر کے کتابی شکل میں شائع کیا جاتا ہے تو اس کو مجموعہ کہتے ہیں)
5. شکیلہ اختر نے تعلیم کہاں تک حاصل کی تھی اور ان کے والد کا نام کیا تھا؟

ABDIEL SOLUTIONS ABSOLUTE PATNA

آیئے، کچھ کریں

1. مصیبت زدہ عورت جب مدد مانگنے کی غرض سے ایک جگہ جاتی ہے تو لوگ اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اسے فریبی تصور کرتے ہیں۔ آپ کے خیال میں اس کی کیا وجوہ ہو سکتی ہیں؟ (لفظ وجوہ وجہ کی جمع ہے)
2. پوری کہانی پڑھنے کے بعد آپ نے کیا اثر قبول کیا؟ اپنی تباہی و بربادی کا قصہ سنانے والی عورت کیا فریبی تھی؟ یا اس پر غلط شک کیا گیا تھا؟ اپنے تاثرات قلم بند کریں۔
3. بہار کے چند مشہور افسانہ نگاروں کی تصویر جمع کر کے اپنے اردو کے استاد کو دکھائیں۔

الفانسو داوے

الفانسو داوے فرانسیسی ادب کا ایک معتبر نام ہے۔ یہ افسانہ نگار بھی ہیں اور شاعر بھی۔ ان کی پیدائش 1840 میں فرانس کے ایک شہر نائمس میں ہوئی۔ انہوں نے طویل ناول اور مختصر افسانے بھی لکھے ہیں۔ ان کے نثری کارنامے طویل ہیں۔ کئی ناول انہوں نے یادگار چھوڑے ہیں جو فرانسیسی ادبیات میں قابلِ قدر سرمایہ ہیں۔ ناولوں کے علاوہ انہوں نے فرانسیسی افسانے بہت لکھے ہیں۔

ان کے افسانوں میں 'آخری سبق' بھی ہے جو فرانسیسی حب الوطنی سے معمور ہے۔ اس افسانے میں اپنے وطن سے محبت کا جذبہ ابھر کر سامنے آیا ہے۔